© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد جلد: ۴۶ شمارہ: ۲،۱

بیگم گنج کا سائیں جرنیل☆

امراؤ طارق

میں نے کسی سچ مچ کے جرنیل کو دشمن سے جنگ کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا ہے نہ آج کل کے جدید فوجی جرنیل کو جو خاکی وردی میں ملبوس سینے پر بہت سے تمغے لگائے کالر میں سرخ ربن سجائے، ہاتھ میں اخروٹ کی شاخ کی بید لیے جیپوں کے بجائے ایئرکنڈیشنڈ کاروں میں بیٹھے ہوئے ٹی وی کی خبروں میں نظر آجاتے ہیں اور نہ ان جرنیلوں میں سے ہی کسی کو دیکھا ہے جو کھلے آسمان کے نیچے ڈھیلا ڈھالا چغہ پہنے گلے میں موتیوں کی مالائیں ڈالے سر پر کلاہ جمائے اور کمر میں تلوار باندھے گھوڑے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان دونوں طرح کے جرنیلوں سے میری یاد اللہ صرف کیمروں تک محدود ہے چاہے وہ کیمرہ ٹیلیویژن کا ہو یا وی سی آر کی فلموں کا۔ ان جرنیلوں کے بارے میں میری معلومات بھی ٹیلی ویژن کی اسکرین ہی تک محدود ہے چنانچہ نہ مجھے کسی ایسے جرنیل کی ذہنی کیفیت کا اندازہ ہے جس نے چند لمحوں پہلے کوئی بڑی جنگ جیتی ہو دشمن کے بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا ہو اور بہت سے جنگی قیدی بنائے ہوں اور نہ میں نے کسی ایسے جرنیل کو ان لمحوں میں دیکھا ہے جو محاذ جنگ سے اپنی جنگ ہار کر دل شکستہ لوٹا ہو اور اس کے تمغے پلٹن میدان کے ہجوم میں نوچ کر اتارے گئے ہوں اور اس کے بوٹ کیچڑ سے سنے اور چہرہ غبار سے اٹا ہوا ہو لیکن جانے کیوں جب بھی میں ڈاکٹر ابوالخیر کشفی سے ملتا ہوں تو مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں اچانک کسی ایسے جرنیل کے سامنے آ گیا ہوں جو ابھی ابھی اپنی جنگ جیت کر محاذ جنگ سے لوٹا ہے لیکن اس کے بوٹ کیچڑ میں سنے ہوئے ہیں اور چہرہ غبار سے اٹا ہوا ہے اور اس کے تمغے اتار لئے گئے ہیں اور وہ تھکن اور زخموں سے چور چور ہے۔

مجھے ڈاکٹر ابو الخیر کشفی اپنی جیتی ہوئی جنگ کے باوجود ہارے ہوئے ایسے جرنیل کیوں نظر آتے ہیں جس کے تمغے خلق خدا کے سامنے نوچ کر اتارے گئے ہوں اور جو زخموں اور تھکن سے چور چور ہو حالانکہ ڈاکٹر ابو الخیر کشفی کو میں نے دنیاوی جاہ و جلال کے سامنے کبھی مرعوب ہوتے نہیں دیکھا اور نہ ہی انہوں نے کبھی کسی صاحب اختیار کے سامنے دنیاداری کا مظاہرہ کیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ

☆ دھنک کے باقی ماندہ رنگ۔ خاکے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دین کے معاملے میں کسی سمجھوتے پر کبھی چُپ نہ سادھی بلکہ ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں، جب کشفی صاحب نے صاحبِ ثروت اور صاحب اختیار افراد کو بھری محفل میں برملا کبھی ٹوک دیا اور کبھی روک دیا اور اپنے لیے مشکلات کے امکان پیدا کر لیے۔ اس کا غالباً ایک سبب تو ان کا وہ حد سے بڑھا ہوا انکسار ہے جو انہیں کانپور کے مشہور محلے بیگم گنج کی اس خانقاہ سے ملا ہے جہاں ان کی پرورش ہوئی اور دوسرا سبب ان کا وہ مزاج ہے کہ اگر حلقہ یاراں ہو تو بریشم کی طرح نرم ہو جاتے ہیں پھولوں کی طرح مہکتے ہیں طائروں کی طرح چہکتے ہیں، خُلق و محبت کا پیکر بن جاتے ہیں اور پھر ان کی نظر میں نہ کوئی چھوٹا رہ جاتا ہے اور نہ بڑا بن پاتا ہے۔ سب یار ہوتے ہیں دوست ہونے ہیں اپنے ہوتے ہیں لیکن اگر رزمِ حق و باطل ہو تو سر تا سر فولاد بن جاتے ہیں بے مروت ہو جاتے ہیں اور طوطا چشم نظر آنے لگتے ہیں اور ایک اور ہی بالکل مختلف ابوالخیر کشفی ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب غلطیوں اور حماقتوں کے سلسلے میں بھی دو مختلف شخصیتوں میں ڈھل جاتے ہیں۔ وہ خواہ دوست ہوں عزیز ہوں شاگرد ہوں یا بچے ہوں ان کی کسی غلطی کا علم ہو جائے تو بڑے تحمل سے اس کا ازالہ کریں گے یا ازالے کی اپنی جیسی کوشش کریں گے اور مفید مشورے دیں گے لیکن اگر ان میں سے کسی سے کوئی حماقت سرزد ہو جائے تو اسے کبھی معاف نہیں کرتے اس حماقت کی لطیفوں کی طرح تشہیر کرتے ہیں جب موقع مل جائے اس کا خوب مزے لے لے کر ذکر کرتے ہیں۔ بار بار احساس دلاتے ہیں ان کی اس عادت سے دوستوں اور عزیزوں کے علاوہ گھر والے بھی محفوظ نہیں ہیں۔ سب ہمیشہ محتاط رہتے ہیں اور دست بدعا رہتے ہیں کہ اے اللہ چھوٹی موٹی غلطیاں بے شک کرائیو مگر حماقتوں کے شر سے محفوظ رکھیو۔ پھر بھی آخر بندہ بشر ہے انسان ہے گناہوں کا بلکہ حماقتوں کا بھی پتلا ہے گندم کھاتا ہے جب بھی کسی سے کوئی حماقت سرزد ہو جاتی ہے ڈاکٹر صاحب کو علم نہ ہو سکے اسی کوشش میں جتا رہتا ہے ورنہ پھر اللہ دے اور بندہ لے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اللہ چاہے دے نہ دے درگزر کر دے مگر اللہ کا یہ بندہ تو ہاتھوں ہاتھ لے گا اور جب تک دوسروں کی کوئی اور حماقت منظر عام پر نہ آ جائے ہاتھوں ہاتھ لیے ہی رہے گا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اپنی حماقت پر بھی بچوں کی طرح ہی خوش ہوتے ہیں اور مزے لے لے کر سناتے ہیں اور خجل ہوتے ہیں۔

ایک بڑے جلسے میں منیبہ شیخ نعت پڑھی رہی تھیں مہمانِ خصوصی ایک وزیر با تدبیر تھے جو وقت پر جلسے میں تمام دوسرے وزیروں کی طرح تشریف نہ لا سکے تھے اور عین اس وقت تشریف لائے جب منیبہ شیخ نعت پڑھ رہی تھیں ایک تو سرور کائناتؐ کی نعت پھر منیبہ شیخ کی آواز حاضرینِ جلسہ پر کیفیت طاری ہو چکی تھی لیکن عزت مآب وزیر کے تشریف لاتے ہی جلسے کے منتظمین ان کے استقبال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے جوش میں اٹھ کھڑے ہوئے اور یوں مہمانِ خصوصی کی طرف لپکے کہ جلسے کا سکون انتشار میں بدل گیا ڈاکٹر صاحب غالبًا جلسے کی صدارت کر رہے تھے اس بے ادبی کو برداشت نہ کر سکے اور اس اعلان کے ساتھ کہ دورانِ نعت کوئی اور کیسے ہی بڑے رتبے کا انسان مجلس میں آجائے کسی خیر مقدم کا مستحق نہیں ہے۔ منیبہ شیخ کو نعت پڑھنے سے بڑی ترشی سے روک دیا۔ منیبہ شیخ نے کہ بے چاری ڈاکٹر صاحب کی شاگرد، طالب علمی کے زمانے میں دل میں جو خوف دل میں بیٹھ گیا تھا اب اتنی بڑی ہو گئی ہیں، پھر بھی نہیں نکل سکا۔ سمجھ میں تو کچھ نہ آیا ہاں آواز دو حصوں میں تقسیم ہو گئی لب پر جو آ گئی تھی وہ تو نہ رک سکی مگر کچھ عجیب طرح نکلی جو حلق میں تھی وہیں دم توڑ کر رہ گئی۔ منیبہ شیخ کیا چپ ہوئیں پورے جلسے پر سناٹا چھا گیا اور وزیر موصوف معہ خیر مقدم کرنے والے کارکنوں کے دم بخود رہ گئے۔ سب نے اس لمحے محسوس کیا کہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے بیٹھے بٹھائے جلسے میں بدمزگی پیدا کر دی ہے اور وزیر موصوف کے ساتھ بدسلوکی کے مرتکب ہوئے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب مطمئن تھے کہ انہوں ایک بڑی کوتاہی اور بے ادبی کا بروقت سدِ باب کیا ہے۔ جلسے کے دوران ہی جوں جوں وقت گزرتا گیا لوگوں کو احساس ہوتا گیا کہ سرور کائناتؐ کے حضور ہدیۂ نعت کے دوران کسی انسان کا خواہ وہ وزیر ہی کیوں نہ ہو اس کا اس طرح خیر مقدم کرنا گستاخی ہے۔ بے ادبی ہے۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد منتظمین اور حاضرین کے علاوہ خود وزیر موصوف نے اس غلطی کا اعتراف کیا اور اپنی کوتاہی پر ڈاکٹر صاحب سے اظہار ندامت کیا۔

اسی طرح ادیبوں کے جلسے میں بیوروکریٹس کی صدارت پر ڈاکٹر صاحب برملا اعتراض کر کے ایک اور صاحبِ اختیار کی خفگی کا خطرہ مول لے بیٹھے اور ایک عرصے تک موضوع گفتگو بنے رہے۔ مجھے ڈاکٹر صاحب کے ایسے کئی خلافِ مصلحت لیکن جرأت مندانہ فیصلوں کا علم ہے جن میں شعبہ اردو میں لیکچررز کے تقرر کا وہ واقعہ بھی شامل ہے جس میں ایک تقرری کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب شعبہ کی صدارت تک سے مستعفی ہو گئے۔ ان واقعات کی بنیاد پر جتنے منہ اتنی ہی باتیں بھی ہوئیں۔ بعض احباب نے ڈاکٹر صاحب کو ضدی اور ہٹ دھرم کہا۔ اکثر دوستوں نے انہیں عاقبت نااندیش کہا فریقین نے ان پر تعصب کی تہمت لگائی کچھ لوگوں نے منتقم کہا اور بعض احباب نے بظاہر ان سے اپنی بے پناہ عقیدت اور ہم نوالگی و ہم پیالگی کے باوجود موقع سے جی بھر کر فائدہ بھی اٹھا لیا۔ آپ اور ہم سب ہی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ دنیا اتنی سمٹ گئی ہے کہ کسی فرد کے بارے میں کہیں کوئی بات کہی جائے وہ سفر کرتی ہوئی متعلقہ گوشوں تک ضرور پہنچ کر رہتی ہے۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی تک بھی یہ تمام ریمارکس معتبر ذرائع سے بھی اور کم معتبر ذرائع سے بھی پہنچ کر رہے اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سب کچھ بڑے صبرو سکون سے سن کر خاموش رہے لیکن اظہار نیاز مندی اور عقیدت کے باوجود جب اپنے بہت قریبی رفیق کی موقع پرستی اور دو رُخی کا علم ہوا تو ہمارے اس سائیں جرنیل نے پہلے تو یقین کر کے نہ دیا لیکن جب بالآخر یقین آ ہی گیا تو دیر تک خاموش رہے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور اپنے اس رفیق کی صحت درازی عمر اور ترقی درجات کی دیر تک دعا کرتے رہے اور بہت دیر تک اس کی وفاداریوں، محبتوں اور رفاقتوں کا ذکر کر کے روتے رہے۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کو میں نے پہلی بار اردو کالج میں دیکھا تھا یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب اردو کالج شخصیتوں کے اعتبار سے مالا مال تھا۔ جو ذرہ جہاں تھا وہیں آفتاب تھا اور سب سے میجر یعنی بڑے آفتاب میجر آفتاب حسن تھے جو اردو کالج کے پرنسپل تھے اور اپنی دیو قامتی شیروانی دل ہلا دینے والی گرجدار آواز اور طلباء کی ناک تک بلا روک ٹوک پہنچ جانے والی لمبی چھڑی کے باوجود طلباء اور اساتذہ دونوں میں بہت مقبول تھے اور اردو کالج ان کے دور میں کراچی کی سب سے اہم اور نیک ناک درسگاہ بن گئی تھی۔ افتخار صاحب انگریزی پڑھاتے تھے اور شیکسپیئر کے ڈراموں خصوصاً جولیس سیزر میں یوں جان ڈال دیتے تھے کہ پڑھاتے وقت وہ خود ہمیں کبھی کیشیس کبھی انتھونی اور کبھی سیزر نظر آنے لگتے تھے۔ اتوار کے دن جب دفتروں میں چھٹی ہوتی تھی تو ان کی کلاس میں اتنے طلباء آجاتے تھے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہ جاتی تھی اور لڑکے کلاس روم سے باہر کھڑکیوں اور دروازوں سے لگے ان کا لیکچر سنتے رہتے تھے خاص طور پر انتھونی کی وہ تقریر جو اس نے سیزر کی لاش پر اس کو دفن کرنے سے قبل کی تھی وہ اس طرح پڑھاتے تھے کہ ایسا لگتا جیسے سیزر کی لاش سامنے پڑی ہوئی ہے اور انتھونی رومن فرینڈز اینڈ کنٹری مین سے خطاب کر رہا ہے۔ پیر میں کجی کے باعثِ افتخار صاحب لنگڑا کر چلتے تھے لیکن ان کی مقبولیت کی وجہ سے کبھی کسی طالب علم نے ان کی اس کجی کو نام کا حصہ یا نام نہیں بنایا البتہ آج تک جب بھی جولیس سیزر کا دوست انتھونی ہمیں یاد آتا ہے ہمارے فہم و تصور میں وہ لنگڑا کر ہی چلتا ہے اور اپنے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی صاحب جن کے ماتھے سے سلوٹیں کبھی جدا نہ ہوتی تھیں اور جو کلاس روم میں ہمیشہ شمشیر برہنہ رہا کرتے تھے اور کلاس روم کے باہر بھی شمشیر برہنہ ہی رہا کرتے تھے اس زمانے میں کشفی صاحب کو دیکھ کر مجھے فتح پور ہسوہ کے وہ صوفی بزرگ یاد آجاتے تھے جن کے پاس مڈل یا میٹرک کا امتحان دینے والے گاؤں سے آئے ہوئے طالب علم امتحان سے پہلے سلام کرنے اور دعا کرانے کے لیے ضرور حاضری دیتے تھے۔ وہ صوفی بزرگ ان آنے والے طالب علموں میں سے کچھ کی طرف سے بے توجہی برتتے کچھ کو چلے جانے کو کہہ دیتے کچھ کو بھگا دیتے اور کچھ کو ڈانٹ کر نکال دیتے تھے۔ بعض لڑکوں کو وہ شفقت سے اپنے پاس بلاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو نصیحتیں کرتے اور دعائیں بھی دیتے تھے جب امتحان کا نتیجہ نکلتا تو جن کو ڈانٹ کر بھگاتے تھے وہ بہت اچھے نمبروں سے جن کو بھگا دیتے تھے وہ کم اچھے نمبروں سے پاس ہو جاتے تھے اور جن لڑکوں کو شفقت سے اپنے پاس بلا کر بٹھا لیتے تھے وہ فیل ہوتے تھے کچھ دنوں کے بعد یہ بات اتنی مصدقہ ہو گئی کہ بعد میں حضرت جس لڑکے کو بلا کر اپنے پاس بٹھا لیتے وہ اسی وقت سمجھ لیتا کہ وہ اب پاس نہ ہو سکے گا اور وہ تو وہ اس کے ساتھ آئے ہوئے اس کے والدین بھی رونا شروع کر دیتے اور ڈانٹ کھانے والے لڑکے ڈانٹ کھا کر سیدھے حلوائی کی دوکان پر جا کے جی بھر کر جلیبیاں کھاتے جیسے امتحان کا نتیجہ نکل آیا ہو ڈاکٹر ابوالخیر کشفی تو کسی طالب علم کو منہ ہی نہ لگاتے تھے اور اس دہشت گردی کے باوجود لڑکوں میں مقبول تھے ہی، لڑکیوں میں بھی بہت زیادہ مقبول تھے اتنا کہ لڑکیاں ان کو دور سے ہی آتے دیکھ کر اپنے آپ کو سنبھالنا بھول کر دوپٹوں کو سنبھالنے میں لگ جاتی تھیں اور ان سے پھر نہ اپنا آپ سنبھلتا تھا نہ دوپٹے سنبھلتے تھے اور اس افراتفری میں اگر راہ فرار مل جاتی تو اس طرح راستہ بدل لیتیں جیسے کسی وہمی نے بلی کو اپنا راستہ کاٹتے دیکھ لیا ہو مگر لڑکی ہو کہ لڑکا جو اردو ادب پڑھتا تھا ان کا ادب کرتا تھا ان سے خائف بھی رہتا تھا اور ان سے پیار بھی کرتا تھا مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ فیضان نظر تھا یا کہ دہشت کی کرامت تھی۔

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کے مزاج میں ہماشا کی طرح کا غصہ نہیں ہے نہ جھنجھلاہٹ ہے وہ جو کچھ جب اور جس طرح محسوس کرتے ہیں علی الاعلان کہہ دیتے ہیں نفرت کسی سے نہیں محبت سب سے۔ لیکن حق و باطل کا معرکہ دوسرے تمام امتیازات اور رشتوں کو کاٹ دیتا ہے ان کے ماتھے کی شکنیں فکرِ دنیا کی نہیں روز جزاء کے خوف کی اور ان کے مزاج کی تندی ضعف بشریت کی نہیں اپنے رب سے عجز کی اور جاہ دنیا سے بُعد کی مظہر ہیں۔ سلطانہ ڈاکو کو سنتے ہیں امیروں سے جو کچھ لوٹتا تھا غریبوں میں مفت تقسیم کر دیتا تھا۔ یہ وزیروں اور وڈیروں سے لڑتے ہیں اور تہی دستوں میں اپنی کمائی مفت لٹا دیتے ہیں اگر کبھی ہاتھ تنگ بھی ہو جائے تو شکوہ کئے بغیر اللہ پر تکیہ کر لیتے ہیں اور اللہ بھی انہیں کبھی باجرے کی ٹکیاں بھیج دیتا ہے کبھی مرغ و متنجن سے نوازتا ہے انہیں بھوکا اٹھاتا ضرور ہے مگر بھوکا سلاتا کبھی نہیں۔ خود بازار سے کوئی شے اچھی لگی خرید لائے یا کسی نے کوئی خوبصورت شے تحفے میں دی جو سامنے آ گیا اسے ضد کر کے دے دی اور بھول گئے کہ کسے کیا شے دی تھی پھر اسی شخص کے پاس اپنے ہی دی ہوئی وہ شے دیکھی یا اپنا ہی دیا ہوا لباس اسے پہنے دیکھا اچھا لگا جی بھر کے بار بار تعریف کی بھول گئے کہ خود کی عطا ہے اور تعریف سے پانے والا شرمسار ہوگا سمجھے گا دے کر پچھتا رہے ہیں یا احسان جتا رہے ہیں جب کسی نے یاد دلایا یا خود علم ہو گیا تو مارے شرم کے پسینے پسینے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو گئے اب یہ عالم ہے کہ کسی دوست کی کوئی شے یا لباس اچھا لگے تو حسن تعریف کو بہ جبر دبا لیتے ہیں مبادا خفت اٹھانی پڑے۔ اگر اسے حسن طلب نہ سمجھا جائے تو ڈاکٹر صاحب میرے لباس و اشیاء کی اگر اچھی لگے بے خوف تعریف کر سکتے ہیں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔

کئی سال قبل ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کو قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اسلحہ کا ذخیرہ کرنے کے جرم میں گرفتار کر لیا۔ ڈاکٹر صاحب کی بغیر لائسنس اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی کے جرم میں گرفتاری مجھے ایسی لگی جیسے حضرت غالب نیشنل اسمبلی میں شراب پر پابندی کے حق میں دلائل دے رہے ہوں۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کی گرفتاری اگر ناگزیر بھی تھی تو انہیں حکومت پر تنقید کے جرم میں کوئی آرٹیکل لکھنے کی پاداش میں یا پھر کسی خوبصورت یا اہم یا نادر کتاب کی چوری کے الزام میں گرفتار کیا جاتا تو کچھ لوگ کہتے ایسا ہو نہیں سکتا اور کچھ لوگ کہتے نہیں بندہ بشر ہے اچھی کتاب دیکھی ہو گی پائے ثبات میں لغزش آ سکتی ہے جوش تحریر میں بہک گئے ہوں گے لیکن جہاں تک اسلحہ کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ اب بھی ڈاکٹر ابوالخیر کشفی بارہ بور کی بندوق کا گھوڑا کہاں ہے اور مکھی کدھر ہے نہیں بتا سکتے مگر اللہ اللہ شوق گرفتاری تو دیکھئے اسلحہ کی ذخیرہ اندوزی کے جرم میں۔ یونیورسٹی کیمپس کے اس کمرے میں جو ان کے بنگلے سے دیواروں کے ذریعے جڑا ہوا تو ضرور تھا مگر اس میں داخل ہونے یا نکلنے کے لئے کوئی دروازہ گھر کے اندر سے نہ تھا اور یہ کمرہ الگ تھلگ بنا ہوا سرونٹ کوارٹر تھا جہاں کوئی بھی اجنبی گھر والوں کے علم میں آئے بغیر جب چاہے بلا روک ٹوک داخل ہو سکتا تھا ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کو کچھ علم نہ تھا کہ ایک ناکارہ بندوق اور ایک دو ناقابل استعمال پستول ایک میلی سے چادر میں لپیٹ کر کس نے اور کب وہاں ڈال دیے تھے۔ اسلحے کا ذخیرہ کرنے اور اسلحے کے ذخیرے کے الزام میں گرفتار کرا دینے کی سازش کرنے میں فرق اسلحہ کی ظاہری صورتِ حال سے ہی کیا جا سکتا ہے لیکن قانون نافذ کرنے والے بوجوہ ان تفصیلات میں نہیں پڑتے اور عام طور سے یہ جانتے ہوئے بھی کہ جس ملزم کو انہوں نے گرفتار کیا ہے وہ دراصل مجرم نہیں ہے یا اس کے خلاف شہادت نہیں ہے قانونی اختیار ہونے کے باوجود اسے نہیں چھوڑتے مقدمہ عدالت کے سپرد کر دیتے ہیں اِلّا اس کے کہ ان کو اپنا یہ اختیار استعمال کرنے کی ترغیب دے دی جائے۔

یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب میں گزری روڈ پر سرکاری مکان میں رہتا تھا اس دن اچانک بعد مغرب کشفی صاحب سے ملنے کی ہوک سی اٹھی میں اپنے ایک دوست کی کار میں یونیورسٹی کیمپس پہنچا کشفی صاحب کے گھر میں مجھے دور ہی سے ایک پراسرار سناٹے کا احساس ہوا اور میرا دل ڈوبنے لگا اوّل تو اس سے قبل کشفی صاحب سے ملنے کی ایسی شدید خواہش کبھی نہیں ہوئی تھی دوسرے نیم تاریکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں ڈوبے ہوئے کشفی صاحب کے گھر پر ایسی وحشت مجھے پہلے کبھی محسوس نہ ہوئی تھی یوں لگتا تھا جیسے یہ گھر مدت سے ویران پڑا ہوا ہے مکین گھر خالی کر کے کب کے جا چکے ہیں بیگم کشفی گھر میں موجود تھیں خاموش اور پرسکون یوں جیسے جو کچھ ہوا ہے اسے کرنے والے نادان کمزور اور نااہل تھے۔ وہ تھوڑی دیر میں اپنی غلطی کا اعتراف کر لیں گے اور سب کچھ اسی طرح ہو جائے گا جیسے چند گھنٹوں قبل تھا ان کا ردعمل بالکل ایسا تھا جیسے اپنی جنگ ہارتے ہوئے سپاہیوں کو چند لمحوں میں پہنچنے والی کمک کا انتظار ہوتا ہے اور جس کا پہنچنا کسی بھی شبہ سے بالاتر ہو۔ یونیورسٹی کیمپس سے میں فوراً گلشن اقبال تھانے پہنچا وہاں کشفی صاحب ایک بنچ پر تصویر کی طرح خاموش بے حس و حرکت بیٹھے ہوئے تھے جیسے کوئی خواب دیکھ رہے ہوں۔ وہ مجھے دیکھتے ہی مسکرائے اور اس طرح ملے جیسے اپنے گھر کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں ایک ہاتھ سے میرا ہاتھ پکڑا اور دوسرے سے میری پیٹھ تھپتھپائی اور بولے میں نے تمہیں مغرب کے وقت یاد کیا تھا تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی وہ اتنے زیادہ نارمل تھے کہ مجھے وحشت ہونے لگی کہ یا تو انہیں واقعہ کی سنگینی کا علم ہی نہیں ہے یا وہ اپنے ہوش و حواس کھو چکے ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کس مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ چونکہ گلشن اقبال تھانہ نیا نیا بنا تھا اور اس کی عمارت چاردیواری اور شیٹ کی چادروں پر مشتمل تھی میں نے انہیں دوسرے تھانے میں منتقل کرانے کی کوشش کی جہاں کا انچارج میرا دوست تھا اور وہاں کشفی صاحب نسبتاً بہتر محسوس کر سکیں گے ہم گلشن اقبال تھانے سے سولجر بازار تھانے کے لیے اپنے اسی دوست کی کار میں روانہ ہوئے پچھلی نشست پر کشفی صاحب دو پولیس افسروں کے درمیان بیٹھ گئے اور کار روانہ ہوئی۔ کار میں بیٹھے ہوئے سب ہی لوگ خاموش اور اپنے اپنے خیالات میں گم تھے اور کار چلی جا رہی تھی جانے اس خاموشی میں میرے ماضی سے کیا مماثلت تھی کہ مجھے کار میں بیٹھے بیٹھے اپنے گاؤں کے محرم یاد آ گئے ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں محرم بڑے طمطراق سے آیا کرتے تھے اس وقت میری عمر صرف چھ سات سال رہی ہوگی پہلی محرم سے دس محرم تک مختلف دنوں میں مختلف ناموں سے جلوس نکالا کرتے تھے کبھی علم کبھی پلنگ اور کبھی تعزیئے اور ہم سب جلوس میں باقاعدگی سے شرکت کرتے نوحے پڑھتے اور تبرک اور لنگر کی تقسیم میں پیش پیش رہا کرتے تھے دس محرم کو بعد نماز مغرب تعزیئے گاؤں کے مرکزی امام باڑے پر رکھ دیے جاتے تھے اور نماز عشاء کے بعد گاؤں کے بزرگ الوداع کا آخری جلوس خود نکالتے تھے جس میں رات زیادہ ہو جانے کی وجہ سے عموماً بچے شرکت نہ کرتے تھے۔ اس دسویں کو ہم کچھ بچے بھی الوداع کے جلوس کے ساتھ کربلا تک گئے جہاں بڑے جوش و خروش سے ماتم شروع ہو گیا اور ماتم کرنے والے بیہوش ہو ہو کر گرنے لگے۔ یہ جگہ گاؤں سے تقریباً ایک میل دور ہوئی ہوگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں ایک بہت بڑا چھتری کی طرح پھیلا ہوا املی کا درخت تھا۔ محرم کی رات کو جب یہاں تعزیے پہنچتے تو قدموں کی چاپ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہ دیتی اور خاموشی اور املی کے گھنے درخت کے نیچے تاریکی کی وجہ سے یہ جگہ سچ مچ کربلا لگتی تھی۔ ماتم کرتے ہوئے بیہوش ہونے والوں کو درخت کے سائے سے دور کھلے میدان میں قطار سے لٹا دیا جاتا تھا ہم اپنی کم عمری کے باعث بیہوش ہونے والوں کو مردہ سمجھ بیٹھے اور قطار اندر قطار پڑے ہوئے مردوں کو دیکھ کر ہمارے ہوش جاتے رہے کربلا کے میدان میں کوئی روشنی چاندنی کے علاوہ نہ تھی گاؤں سے دور کھلے میدان میں چاند کی روشنی میں پڑی ہوئی اتنی بہت سی لاشوں نے میرے ذہن پر کربلا کے شہداء کی مظلومی پیاس اور بے سروسامانی کا ایسا گہرا نقش چھوڑا کہ ہم تمام بچے جب واپس گھروں کو لوٹ رہے تھے تو خوف، غم اور بے بسی سے ہمارے دل بوجھل ہو رہے تھے۔ سروں پر پورا چاند چمک رہا تھا گاؤں رات زیادہ بیت جانے کی وجہ سے سکوت میں ڈوبا ہوا تھا اور گلیوں میں کتے رو رہے تھے اور میں محسوس کر رہا تھا کہ میں اپنی آنکھوں سے کربلا کی شہادتوں کا منظر دیکھ کر کربلا سے لوٹا ہوں۔ ہماری کار سولجر بازار تھانے پہنچ گئی میں کشفی صاحب کو لے کر ایس ایچ او کے کمرے میں داخل ہوا۔ میرا دوست ایس ایچ او موجود تھا اور شاید اسے ٹیلیفون پر کشفی صاحب کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی جوں ہی ہم کمرے میں داخل ہوئے اس نے اپنی کرسی سے اٹھ کر یونیورسٹی کے اساتذہ اور طالبعلموں کو جتنی گالیاں اسے یاد تھیں چیخ چیخ کر سنا ڈالیں وہ اپنے کمرے میں ٹہلتا رہا اور میری موجودگی یا کشفی صاحب کے پیشے کا خیال کئے بغیر تمام غلیظ گالیاں ہماری سماعت میں انڈیلتا رہا تھانے کے تمام سپاہی اس کمرے کے دروازے پر جمع ہو گئے اور میں کشفی صاحب کو اس تھانے پر لا کر جس قدر آزردہ اور خفیف ہوا شاید اس سے قبل زندگی میں، میں نے کبھی اپنے آپ کو اتنا چھوٹا محسوس نہ کیا تھا۔ اس رات میرے دل میں پولیس والوں کے خلاف جس نفرت نے گھر بنایا تھا اس سے آج تک میں اپنے آپ کو چھٹکارا نہیں دلا سکا۔ میں جب کشفی صاحب کو اس تھانے میں بے یارو مددگار چھوڑ کر واپس آنے لگا تو کشفی صاحب نے اپنی ڈائری میں بلقیس کشفی کے نام چند سطریں لکھ کر مجھے دیں اور ہدایت کی کہ یہ ڈائری میں صرف بیگم کشفی کو ہی دوں۔

میں کار میں اپنے دوست کے ساتھ یونیورسٹی کی طرف لوٹ رہا تھا رات بھیگ چکی تھی سڑکیں ویران تھیں گلیوں میں کتے رو رہے تھے اور آسمان پر پورا چاند چمک رہا تھا یونیورسٹی کیمپس پہنچ کر میں کار سے اتر کر اسٹریٹ لیمپ کے قریب گیا اور اس کی روشنی میں پوری بد دیانتی سے ڈائری میں بلقیس کشفی کے لیے کشفی صاحب کی تھانے میں بیٹھ کر لکھی ہوئی وہ سطریں پڑھ لیں اور میری آنکھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ٹپ ٹپ ڈائری کے صفحے پر آنسو گرنے لگے۔

شاید گاؤں کا محرم یاد آ گیا تھا اس لیے یا شاید تھانے میں دی ہوئی پولیس کی گالیاں اب تک ذہن میں گونج رہی تھیں اس لیے یا شاید میں کشفی صاحب کو تھانے میں بے یارو مددگار چھوڑ آیا تھا اس لئے یا ڈائری میں لکھی ہوئی وہ سطریں میرے دل میں تیر کی طرح پیوست ہو گئی تھیں اس لیے جب میں اسٹریٹ لیمپ کے نیچے سے بلقیس کشفی کو وہ ڈائری دینے کے لیے چلا تو مجھے ایسا لگا جیسے میں کربلا کے میدان میں بے گور و کفن پڑے ہوئے لاشے چھوڑ کر ان خیموں کی طرف لوٹ رہا ہوں جن میں آگ لگی ہوئی ہے اور دھواں میری آنکھوں میں آہستہ آہستہ داخل ہو رہا ہے اور میرا دم گھٹنے لگا ہے اور میرے ہاتھوں میں کشفی صاحب کی دی ہوئی ڈائری نہیں ہے وہ علم ہے جو خاک و خون میں لتھڑ کیا ہے۔

بلقیس کشفی کو ڈائری دے کر میں گھر سے باہر نکلا تو میرے پیروں میں جان نہ تھی اور مجھے معلوم نہ تھا کہ مجھے کہاں جانا ہے میرے دوست نے شاید میرے کہنے پر پھر مجھے سولجر بازار تھانے کے گیٹ پر لے کر جا چھوڑ دیا اور خود چلا گیا تمام رات میں تھانے کے باہر گیٹ سے لگا زمین پر بیٹھ کر روتا رہا اور سوتا رہا حتیٰ کہ وہ رات ختم ہوئی اور ایک نئی صبح سولجر بازار تھانے کے گیٹ سے اس تاریک کمرے میں داخل ہوئی جہاں کشفی صاحب قید تھے۔

☆☆☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

احکامِ وقف

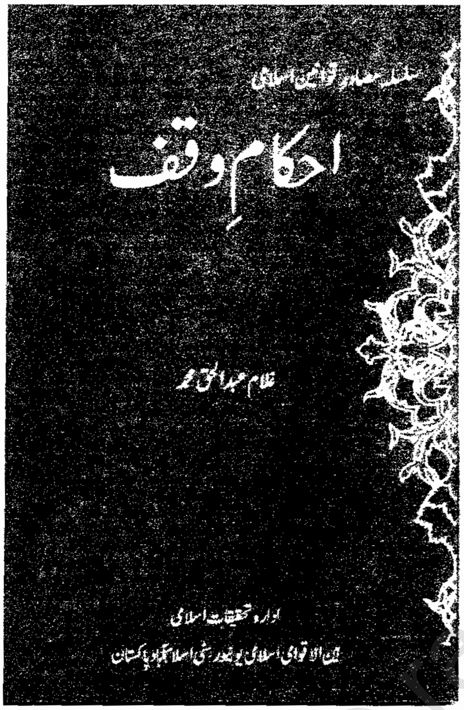

نبی اکرم ﷺ کے عہدِ مبارک ہی میں مسلمانوں نے اوقاف قائم کرنا شروع کر دیے تھے۔ وقف کے متعلق بنیادی معلومات کتب حدیث میں ملتی ہیں اور شارحین نے ان حدیثوں پر علمی اضافے قلم بند کیے ہیں۔ بعد کے زمانہ میں جب اسلامی فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو فقہاء نے اپنی اپنی تصانیف میں وقف، وقوف یا حبس کے عنوان سے ابواب شامل کیے۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا علوم وفنون میں تخصیص نے راہ پانی شروع کی جس کے نتیجے میں مختلف عناوین پر مکمل کتب دیکھنے میں آئیں۔

وقف کا ادارہ اپنے ابتدائی دور میں انتہائی سادہ اور محدود تھا۔ مرور زمانہ کے ساتھ اس میں وسعت پیدا ہوئی۔ مختلف علاقوں میں حالات مختلف تھے، مزاج اور سوچ میں تنوع تھا اور رسوم وروایات جدا تھے۔ لہٰذا لوگوں نے اپنے اپنے حالات اور ضرورتوں کے مطابق مختلف مقاصد اور قواعد کے تحت اوقاف قائم کیے۔ کسی نے اپنے ہی خاندان کے لیے جائیداد وقف کر دی۔ کسی نے خاص شہر یا علاقے کے لیے وقف قائم کیا اور کسی نے مخصوص افراد اور گروہ انسانی کے لیے وقف کی بنیاد ڈالی۔ ان حالات وواقعات کے پیش نظر وقف کے احکام وضع کیے جانے لگے۔ فقہاء کی اختلافی آراء نے احکام وقف کو بذات خود ایک علم اور فن بنا دیا۔ آج ایک طرف وقف کے احکام کی تفصیلات حدیث اور فقہ کی کتب میں بکھری ہوئی ہیں تو دوسری طرف اہل علم نے انہیں یکجا کر کے ایک کتاب میں سمونے کی کوششیں بھی کی ہیں۔

زیرِ نظر تالیف میں وقف سے متعلق احادیث نبویہ ﷺ کے علاوہ مختلف ممالک اور اصحاب سے منسوب اوقاف کا بیان ہے، اقسامِ وقف اور تقرر متولی کے بارے میں تفاصیل پیش کی گئی ہیں اور اسلام کی رو سے غیر مسلم اوقاف کو حاصل تحفظ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۱۱۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں کتابیات اور اشاریہ شامل ہیں۔ قیمت ۷۵ روپے۔

ISBN 969-408-004-5

قارئین اور ادارے جو اس کتاب سے خصوصی طور پر استفادہ کر سکتے ہیں:

اہل علم، طلبہ، عام قاری، کتب خانے، مراکز تحقیق، جامعات

کتاب منگانے یا ادارہ کی کتابوں کی فہرست حاصل کرنے کے لیے رابطہ فرمائیے

ڈائریکٹر مطبوعات، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی پوسٹ بکس نمبر ۱۰۳۵، اسلام آباد

فون نمبر: ۲۲۵۴۸۷۴ فیکس: ۹۲۶۰۷۶۹، ای میل (<iri.publications@gmail.com>)

قیمت کی ادائیگی کے طریقے: بنک ڈرافٹ (بنام ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد)، بنک بلٹی یا منی آرڈر۔ ڈاک خرچ یا ٹرک سروس کا کرایہ بذمہ خریدار

نوٹ: کتب فروشوں، کتب خانوں اور اداروں کو خریداری کی مالیت کے حساب سے ڈسکاؤنٹ دیا جاتا ہے۔

© rasailojaraid.com